اسلامی دستور

ادیب اعظم مولانا سید محمد باقر شمس صاحب مدظلہ

انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمیشہ سے جس عذاب میں مبتلا ہے وہ زندگی کی ضرورتوں کو بہتر سے بہتر طور پر پورا کرنے کی خواہش ہے۔ اگر یہ اپنی محنت سے ہوتو اتنی عذاب نہ بنے لیکن ہوتا یہ ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے کمائیں اور وہ کھائیں یہی فساد کا وہ بیج ہے جس سے فتون کا درخت نکلا۔ حکمرانی، جاگیرداری، زمین داری، سرمایہ داری، سودخوری، چوری، ڈاکہ سب اس کی شاخیں ہیں۔ جنگ وجدل، جبر وتشدّد، قتل وخوں ریزی، جغرافیائی حدبندی، نسلی امتیاز، طبقاتی تقسیم اور اس کے برگ وبار معاشرہ کے مہلک امراض ہیں ان کو روکنے کے لئے جتنی تدبیریں کی گئیں وہ اس کا ردعمل تھیں یا انہیں کی تکمیل کی دوسری صورت۔

رہبانیت

ردعمل فطری خواہشوں کا گلا گھونٹ کے جامۂ بشری سے علاحدگی ہے جو ہیئت اجتماعیہ اور قانون فطرت کے خلاف ہے۔

بادشاہی

تکمیل بادشاہی ہے۔ دوسروں کا مال چھپ کے لوٹنے والے چور اور کچھ آدمیوں کی مدد سے چھین لینے والے ڈاکو کہے گئے اس کے مفہوم میں حقارت اس لئے پیدا ہوگئی کہ وہ فرار ہوگئے اور ان کا دباؤ باقی نہیں رہا۔ مگر ایک بڑی طاقت پیدا کر کے لاکھوں آدمیوں کا مال مستقل کھانے والوں نے عوام کو سمجھایا کہ ہم تمہاری جان مال عزت وآبرو کے محافظ ہیں تمہیں آپس میں جھگڑنے سے روکیں گے تم میں عدل قائم کریں گے اور دوسروں سے تمہاری حفاظت کریں گے۔ مگر خود اپنے کو قیصر وسلطان کہا جس کے مفہوم میں بے انتہا عظمت ووقار کا تصور شامل رہا اور رعایا کو عوام کہا۔ ادب وتعظیم کے معیار بنائے، اقتصادی حدود قائم کئے، رعب وداب اور عام انسانوں سے ضروریات زندگی میں برتری ضروری اور اپنا جائز حق بنایا۔ جس کے نتیجہ میں وہ اور ان کے آگے پیچھے رہنے والے بلند اور عام مخلوق پست ہوگئی اس نظام کو قیام امن کے لئے ضروری بتا کر اسی کی بنیاد پر قانون بنائے اور عوام کو دبائے رکھنے کے لئے ان ہی کی گاڑھی کمائی سے فوج اور خزانہ قائم کر کے ان کی خودداری، عزت نفس، حریت ضمیر کے سینہ پر اپنی شان وشوکت کا قصر تعمیر کیا اور اس کی بقا پر انہیں کی جانوں کی قربانی چڑھاتے رہے۔ اور اس طرز قزاقی کا نام بادشاہی رکھا۔

عوام بھی ایک مدت تک اسی حالت میں رہتے رہتے اس کے عادی ہوگئے اور ہر زبردست کے شر سے محفوظ رہنے کا واحد علاج اسی کو سمجھے۔

جمہوریت

جمہوریت یا اشتراکیت یا دوسرے اقسام کی

حکومت اسی بادشاہی کی نقل ہے جس میں اس کا پورا نظام سمایا ہوا ہے مگر اس کی بنیاد نسلی امتیاز اور کھلم کھلا جبر پر نہیں بلکہ فریب پر ہے۔ ہوشیار لوگ عوام کو سبز باغ دکھا کے اپنا ہم خیال بناتے اور شاہی اختیارات کا ایک بڑا حصہ حاصل کر کے عزت وفخر اور شاہانہ عیش وعشرت کا سامان فراہم کرتے ہیں اور عوام کو یہ فریب دیتے ہیں کہ تمہاری بنائی ہوئی حکومت ہے جب کہ ان کالانعام کو اپنے اوپر مسلط کر لینے کے علاوہ اس نظام میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

اگر علمی ترقی، فوجی قوت امن اور خوشحالی کو حکومت کی کامیابی کا معیار سمجھا جائے تو بعض زمانوں میں دوسرے طرز کی حکومتیں عذاب بن گئیں اور اکثر بادشاہوں کے زمانے بہتر ثابت ہوئے یہی وجہ ہے کہ دنیا ابھی تک کسی نظام سے مطمئن نہیں ہوئی ایک سے عاجز آ کے اس کو چھوڑا تو دوسرا پیدا ہو گیا۔ بادشاہی سے لے کر اشترا کیت تک سب اسی الجھن کی پیداوار ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ہر نظام کی تعمیر میں خواہشات نفس کی برق خرمن اور دہقانی کا خون گرم مضمر ہے اور یہ نتیجہ ہے انسانی تسلط کا اس بیداری کے زمانے میں بہتر سے بہتر دستور بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور جو قدم آگے بڑھتا ہے اس سے شخصی تسلط کی بندش ڈھیلی ہوتی ہے مگر اس سے نجات کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

پیغمبری

اگر اس کا کوئی حل ہے تو وہ صرف اسلام ہے جس نے اس فتنہ کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھواء

اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا پس تم لوگوں پر حق کے ساتھ حکومت کرو اور اپنی خواہش سے کچھ نہ کرو۔

حاکم ومحکوم کے درمیان خواہش نفس کے نکلتے ہی انسانی تفوق وبرتری اور شان وشوکت کی ساری عمارت ڈھ گئی، فوج ختم ہو گئی اور خزانہ خالی ہو گیا۔ سب اس میں برابر ہو گئے نہ کوئی حاکم رہا نہ محکوم۔ حکومت صرف اللہ کی ہے جو انسان کے علاوہ ہے۔ تمام انسانوں کو آپس میں مل جل کے امن سے رہنے کے لئے اسی خالق کائنات نے قانون بنایا جو انسان کی ضرورتوں میں ان کا شریک نہیں اور اس کے نافذ کرنے والے انسان کو بھیج کے حکم دیا کہ تم اپنی خواہش سے کچھ نہ کرو ظاہر ہے کہ اس قانون میں جتنا عدل ہوگا اس سے زیادہ کسی قانون میں خیال نہیں کیا جاسکتا اور عدل ہی وہ چیز ہے جس سے، جامۂ بشری مطمئن ہو سکتا ہے اور معاشرہ کی تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں اور انسانی حکومت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

یہ بات نظری نہیں بلکہ عہد نبوی میں چودہ لاکھ مربع میل کے وسیع رقبہ میں دس سال تک یہ نظام کامیابی سے نافذ رہ چکا ہے۔ آج بھی دنیا کو اسی سے سکون حاصل ہو سکتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ کوئی نظام جہاں بانی خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں بنانا چاہئے، وہ اسلام سے نا آشنا ہیں۔ اگر اسلام کا حکومت سے کوئی تعلق

نہیں تو قرآن میں نہ اس کے متعلق کچھ مل سکتا ہے نہ ڈھونڈھنے کی ضرورت ہے۔

اگر جامۂ بشری کی پرامن زندگی منشائے خدا ہے تو اس کا پورا نظام قرآن میں ہونا چاہئے نہیں تو دین کامل ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہوسکتا۔

قرآن وسنت کی روشنی میں دستور بنانے کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے ایک کام رہ گیا تھا اب اس کی طرف سے وہ انجام دیا جائے گا اور وہ اسے قبول کر کے اسلام کا جزو بنا دے گا۔

حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ نے ایسے ہی موقع پر جب کہ دین میں قیاس کو داخل کیا گیا تو فرمایا:

کیا اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا؟ یا یہ اللہ کے شریک تھے کہ انھیں اس کے احکام میں دخل دینے کا اختیار ہو اور یہ اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضامند رہے۔

یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اُتارا مگر اس کے رسول نے پہنچانے میں کوتاہی کی۔

اللہ نے تو قرآن میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔ (نہج البلاغہ)

اگر قرآن کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔ اور نظام جہانبانی نوع انسانی کی سب سے اہم ضرورت ہے تو اس کا قرآن میں ہونا ضروری ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کوئی نظام جہانبانی نہیں ہے ان کی غلط فہمی کے دو سبب ہیں۔

ایک دستوری ذہنیت، دوسری غلط مذہبیت۔

دستوری ذہنیت

دستوری ذہنیت سے میرا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دماغ میں نظام حکومت کا ایک نقشہ ہے اسی پر پھیلا کے وہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور جب وہ سب خانے اس میں نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ اسلام کا کوئی نظام جہانبانی نہیں ہے۔

ان کے خیال میں نظام حکومت ہی وہ ہے جو اشتراکیت، اشتمالیت، جمہوریت یا بادشاہی کی طرح کی کوئی چیز ہو اسی وجہ سے وہ یہ نہیں کہتے کہ قرآن میں یورپ وامریکہ یا روس کی طرح کا کوئی نظام نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی دستور ہی نہیں اور دستور سازی سے ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ یورپ وامریکہ کے دستور کو سامنے رکھ کے اس میں قرآن وسنت کا رنگ بھریں۔ وہ خود کچھ نہیں بنائیں گے بلکہ دوسروں کی بنائی ہوئی چیز پر اسلام کا ملمع کریں گے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس کی مذہبی حیثیت ظاہر کرنا عوام کو فریب دینے کی کوشش ہے۔

غلط مذہبیت

غلط مذہبیت سے میرا منشاء یہ ہے کہ جب لوگ دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کے فوراً بعد حضرت ابوبکر نے ان کے نظام میں کچھ تبدیلیاں کیں ان کے بعد حضرت عمر نے اس میں وسعت دی تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ نظام خدائی ہوتا تو اس میں تبدیلیاں کیوں ہوتیں۔ وہ اسے اسلام میں تحریف

وترمیم کے بجائے اسلام کے اس حصہ کو غیر الہامی ٹھہراتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کے عمل کی روشنی میں اسلام کو دیکھتے ہیں۔ اسلام کی روشنی میں ان کے عمل کو نہیں دیکھتے۔

ان تبدیلیوں کے صحیح جائز ہونے کا یوں قائل ہونا پڑتا ہے کہ عہد نبوی میں فوج اور خزانہ نہیں ملتا اور بغیر اس کے کوئی حکومت نہیں چل سکتی۔

حضرت عمر نے اس کمی کو پورا کیا۔ مسلمان نبی اکرمؐ کے احترام میں ان کے نظام کو ناقص نہیں کہتے اور اس منزل سے خاموش گذر کر کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین کا نظام ہونا چاہئے۔

(یہ توسیع بھی غلط ہے۔ خلفائے راشدین: ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور حسن کہے جاتے ہیں۔ عثمان نے جو کچھ کیا اس کی تعریف آج تک کسی نے نہیں کی۔ علی نے ابوبکر سے لے کر عثمان تک کے تمام قوانین منسوخ کر کے عہد نبوی کا نظام قائم کیا۔ امام حسن نے اس کو باقی رکھا۔ اس طرح خلفائے راشدین میں دو نظام نظر آتے ہیں ایک ابوبکر و عمر کا دوسرے علی و حسن کا نظام نبوی۔ حقیقت میں خلفائے راشدین کے نظام سے ابوبکر و عمر کا نظام مراد ہوتا ہے۔)

اور اس میں شک نہیں کہ اس نظام میں بڑی جاذبیت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ معمولی کپڑے پہنے مسجد میں چٹائی پر بیٹھا ہے۔ ہر شخص آزادی سے جو چاہتا ہے کہتا ہے ایک معمولی آدمی بھی اسے عدل پر مجبور کرسکتا ہے۔ وہ مسائل شرعیہ میں لوگوں سے حدیث رسول پوچھتا، اصحاب رسولؐ سے مشورہ کرتا، روم و ایران کے مدبّروں سے رائے لیتا اور کہتا ہے:

لا خلافته عن الشوره

وہ لوگوں کو اپنے اوپر نکتہ چینی کی دعوت دیتا اور کہتا ہے کہ مجھے ٹیڑھا دیکھو تو سیدھا کردو۔

ایک طرف یہ دوسری طرف پورا نظام حکومت مع فوج اور خزانہ کے موجود ہے۔ فتوحات کا سیلاب بڑھ رہا ہے۔ حدود سلطنت وسیع ہو رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی دولت کے مدینہ میں انبار لگے ہیں، مسلمان دنیا کی غالب قوم بن رہے ہیں۔

یہ نظام حکومت کی وہ چمک ہے جو آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے۔ اور آج بھی یہ روشنی ہے لیکن دکھائی نہیں دیتی اور کچھ تبدیلیوں (بینکنگ وغیرہ) کے بعد یہ نظام آج کی ضرورتوں کو پورا کرسکتا ہے۔ اور دنیا کا بہترین نظام بن سکتا ہے بشرطیکہ کوئی خدائی قانون اس سے بہتر موجود نہ ہو۔

اسلام کا مکمل قانون حیات اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہونے کا دعویٰ بتاتا ہے کہ حکومت اس کے حدود سے باہر نہیں۔ اس صورت میں اس کا کوئی نظام بھی ہونا چاہئے۔

خدا بندوں سے عبادت چاہتا ہے۔ اس کے لئے طریقۂ عبادت بتاتا ہے، نیک عمل چاہتا ہے اس کے لئے نظام اخلاق بناتا ہے، لیکن زمین پر اپنی خلافت قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر کوئی نظام نہیں بناتا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اگر اسلام کوئی قانون ہے، تو وہی آئین حکومت بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اسلام کچھ اور ہو اور اس کا آئین حکومت کچھ اور وہ ایک نظام حیات ہے۔ وہی دستور جہانبانی بھی ہے، قانون مذہب بھی ہے۔ آئین تمدن بھی ہے اور ضابطہ اخلاق بھی اور وہ قرآن ہے جو مدون ومکتوبی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ مگر اس کی

حیثیت کو صحیح طور پر جاننا ضروری ہے۔

اس کی ایک خصوصیت اکثر مطالب کی تکرار ہے جن باتوں کو زیادہ سمجھانے کی ضرورت تھی ان کو یکجا بھی اور متفرق طور پر بھی بار بار بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کتاب میں کتاب کی، ترتیب یا ان دستوروں کی ترتیب نہ ڈھونڈھنا چاہئے جنہیں فرد یا جماعت لکھ کر عوام پر عائد کرتی ہے۔ یہ ضابطہ فرد اپنی مرضی سے اپنے اوپر عائد کرتا ہے اس لئے اس کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ اور تعبیرات میں الجھنے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک مفسر بھیجا گیا جس نے عمل سے ذرا ذرا سی بات سمجھا دی اور اپنا واضح راستہ بتا دیا کہ جہاں ہم اس سے انحراف دیکھیں اسے منہاج نبوت کے خلاف سمجھیں۔

قرآن کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کا تخاطب براہ راست رسولؐ سے ہے۔ اس وجہ سے اس میں اجمال بھی ہے اور ابہام بھی جس کا مفہوم سوائے رسولؐ کے اور کوئی نہیں جانتا یا جن کو رسولؐ نے بتایا۔

مصر کے مشہور عالم احمد امین اس دور کی اہم شخصیت تھے۔ وہ مورخ بھی تھے اور انشا پرداز بھی مفکر بھی اور محقق بھی ان کی کتاب ''فخر الاسلام'' ان کی ان تمام حیثیتوں کی جامع ہے۔ ہم نے اس سے اس میں استفادہ کیا ہے قرآن کے متعلق انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مختصر طور پر یہ ہے:

> ''قرآن عربی زبان میں عربوں کے اسلوب کلام کے مطابق نازل ہوا اس کے باوجود سارا قرآن تمام صحابہ کی ذہنی اور عقلی گرفت سے باہر تھا۔ یعنی سب میں یہ اہلیت نہیں تھی کہ وہ سارے قرآن کو اجمالاً اور تفصیلاً ایک مرتبہ سن لینے کے بعد فوراً سمجھ سکیں کیونکہ کسی کتاب کا سمجھنا صرف اس زبان کے جاننے پر موقوف نہیں جس میں وہ کتاب لکھی گئی ہے بلکہ اس کے لئے ایک خاص عقلی درجہ کی ضرورت ہے کہ اس کو پڑھنے والوں کی عقل کا درجہ اور اس کتاب کا درجہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو۔
>
> قرآن کے سامنے عربوں کی یہی حالت تھی۔ وہ سب کے سب قرآن کو اجمالاً اور تفصیلاً سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اس دعوے کے ثبوت میں ہمارے لئے وہ روایت کافی ہے، جو انس ابن مالک نے بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب سے قرآن کی آیت ''فاکِھَتا و اَب'' کے متعلق پوچھا کہ ''اب'' سے کیا مراد ہے انھوں نے فرمایا ہمیں تکلف اور تعمق سے روکا گیا ہے۔

حضرت عمر ہی سے روایت ہے کہ منبر پر کھڑے ہوئے اور دوران تقریر میں یہ آیت پڑھی: ''ویاخذھم علی تخوفٍ'' پھر انھوں نے لوگوں سے تخوف کے معنی پوچھے۔ بنی ہذیل کے ایک شخص نے بتایا کہ ہمارے یہاں تخوف کے معنی کم کرتے اور گھستے رہنے کے ہیں۔ اس کی سند میں اس نے یہ شعر پڑھا :

تخوف الرحل منهاتامکا قرد
کما تخوف عود بالنعمه السفن
''بڑے بڑے کوہانوں کو کجاوہ گھس گھس کے کم کرتا رہتا ہے جیسے کمان کی لکڑی کو ریتی۔''

مزید برآں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے سمجھنے کے لئے محض زبان کے الفاظ اور ان کے اسلوبوں کا سمجھنا کافی نہیں مثلاً ''والعادیات ضبحاً''، ''والزاریات ذرواً'' کے معانی اور یہ کہ ''والفجر ولیال عشر'' میں دس راتوں سے کیا مراد ہے؟ اس کی بہت سی مثالیں ہیں اس میں بہت سے اشارے ہیں۔ ان چیزوں کی طرف جن کا ذکر توریت میں آیا ہے۔ اور ان کی تردید مقصود ہے۔ ان آیات کو سمجھنے کے لئے محض زبان کا جاننا کافی نہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

''هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات هن ام الکتاب و اخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم ذیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله و ما یعلم تاویله الا الله و الراسخون فی العلم۔''

''وہ خدا جس نے اے رسول تم پر کتاب نازل کی اس کی کچھ آیتیں محکمات ہیں۔ اور وہی کتاب کی جڑ ہیں دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی غرض سے ان آیات کی تعبیر و تفسیر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ ان کا مطلب سوائے اللہ کے اور راسخون فی العلم کے کوئی نہیں جانتا۔''

''واقعہ یہ ہے کہ یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ تمام صحابہ قرآن سمجھنے میں بڑا تفاوت رکھتے تھے۔ (فجر الاسلام)

علامہ احمد امین کے ان تصریحات سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے مبہمات سمجھنے کا ذریعہ خود رسولؐ کے لئے کیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسولؐ کو وحی غیر متلو کے ذریعہ سے اس کا علم ہوتا تھا۔ مثلاً حکم ہوا: اقم الصلوٰۃ، نماز قائم کرو۔ رسولؐ نے مخصوص ارکان کے ساتھ نماز قائم کی اور ان ارکان کا علم وحی غیر متلو سے ہوا یہی صورت خود رسولؐ نے بتائی ہے۔ نصاریٰ نجران سے مباہلہ کا حکم ہوا مگر افراد نہیں بتائے رسول مخصوص افراد کو مباہلہ میں لے گئے اور فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا تھا کہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کی مدد سے مباہلہ کروں۔[1] یہ حکم قرآن میں نہیں ہے مگر پیغمبرؐ کا ارشاد ہوتا ہے کہ کہ خدا نے مجھے حکم دیا تھا۔

(۱) علامہ ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں لکھا ہے کہ: رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ کی مدد سے مباہلہ کروں، یہی لوگ تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ اگر خدا ان سے کسی کو بہتر سمجھتا تو انھیں مباہلہ میں لانے کا حکم دیتا۔)

رسولؐ خدا نے پہلے حضرت ابوبکر کو سورۂ برات کی تبلیغ کے لئے بھیجا اس کے بعد حضرت علیؑ کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا کہ وہ ان سے سورہ لے کر اس کی تبلیغ کریں۔ حضرت ابوبکر نے جب اس کی شکایت کی، تو فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا کہ یا میں خود جاؤں یا اپنے ایسے کسی شخص کو بھیجوں۔ یہ حکم قرآن میں نہیں۔

رسولؐ اللہ نے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ

کر کے نماز پڑھنے کا حکم مسلمانوں کو دیا۔ یہ حکم قرآن میں نہیں ہے۔ چودہ برس کے بعد خدا نے قرآن میں فرمایا کہ ہم نے اسے تمہارا قبلہ مقرر کیا تھا۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون رسولؐ کی پیروی کرتا ہے اور کون انحراف کرتا ہے۔

''وَمَا جَعلنا القبلة التی کنت علیھا الا لنعلم من یتّبع الرَّسولَ مِمّن یَنقلب علی عقبیہ۔''

اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے علاوہ بھی رسولؐ کو وحی ہوتی تھی۔ اسی بنا پر قرآن میں ارشاد ہوا: ''ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ'' اس سے رسولؐ کا ہر فعل اپنا فعل قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا ہر قول اور فعل بحیثیت نبی اور بر بنائے وحی ہے اور قرآن ایسی کتاب نہیں جسے پڑھ کر ہم سب کچھ سمجھ لیں۔ اور وہ ہمارے لئے کافی ہو۔ ''یتلو علیکم آیتہ'' کے ساتھ ''ویعلّم'' اسی لئے لگایا گیا کہ صرف آیات کا سنانا کافی نہیں اس کی تعلیم بھی رسولؐ ہی کا کام ہے۔ تدبّر فی القرآن کا مطلب یہ ہے کہ رسول کے قول وعمل سے اس کا مطلب سمجھا جائے۔ اپنی رائے اور عقل سے نہیں۔ معلوم ہوا کہ ہمارا دستور قرآن ہے۔ ان تعبیرات کے ساتھ جو رسولؐ نے یا راسخون فی العلم نے بتائی ہیں۔ وہ مکتوبی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔

علامہ احمد امین کہتے ہیں کہ صحابہ میں سب یکساں طور پر قرآن سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ مثال میں حضرت عمر کو پیش کیا ہے۔ خلیفہ ہونے کی وجہ سے انھیں ایسے مواقع اکثر پیش آئے کہ قرآن وحدیث سے حکم معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ وہ راسخون فی العلم میں نہ تھے۔ انھوں نے علم حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ضرورت پر جو سامنے ہوا اس سے پوچھ لیا۔ کبھی مجمع عام میں دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے جس نے بتائی اسے قبول کرلیا۔ اس سے بڑھ کے یہ ہوا کہ ایران وروم کے مدبّروں کے مشورہ نے بہت سے قانون بنائے جس سے دوسری قوموں کی بہت سی باتیں اسلام میں داخل ہوگئیں۔ اب کسی بات کو جاننے کے لئے قرآن کی تعبیرات کو بڑی احتیاط سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہم آئندہ اسلامی نظام کو قرآن سے پیش کریں گے۔ اس کے بعد یہ بھی بتائیں گے کہ اس میں کب کیوں اور کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔

اس میں شیعوں کی کتابوں سے کام نہیں لیا گیا ہے کیونکہ ان کی کوئی کتاب حدیث میں بخاری ومسلم کی ہم پلہ نہیں۔ جس کے متعلق سید سلیمان ندوی ایسا باخبر انسان یہ دعویٰ کر سکے کہ ان میں کوئی حدیث غلط نہیں۔ نہ تاریخ میں اخبار الطوال، طبری، ابن خلدون اور ابن کثیر کا جواب شیعوں کے پاس ہے۔ اس لئے میں نے اپنا ماخذ کتب اہل سنت کو قرار دیا ہے۔ اس پر بھی یہ احتیاط کی ہے کہ وہی باتیں اختیار کی جائیں جنہیں علمائے اہل سنت نے قبول کیا اور بار بار اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی واقعہ بیان کرنے یا کوئی نتیجہ نکالنے میں غلطی ہو تو اس کی اصلاح اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

(جاری)